لغات واعرابِ قرآن (۵)

پروفیسر حافظ احمد یار

سُورَۃُ الفَاتِحَۃِ

(۳)

[ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لئے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کی وضاحت مقدمہ (حکمت قرآن فروری ۸۹ء) میں کردی گئی تھی۔ جن حضرات کی نظر سے وہ شمارہ نہیں گزرا۔ ان کے لئے دوبارہ اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔] قطعہ بندی کے لئے سب سے پہلا دائیں طرف والا ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد اگلا دائیں طرف والا ہندسہ قطعہ نمبر (جو اس سورۃ میں سے زیر مطالعہ ہے) کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد تیسرا نمبر بحث اللغۃ کے لئے ۱، بحث الاعراب کے لئے ۲، الرسم کے لئے ۳ اور الضبط کے لئے ۴ لکھا گیا ہے مثلاً ۱ : ۳ : ۲ کا مطلب ہے سورۃ الفاتحہ کے تیسرے قطعہ میں بحث الاعراب]۔

۱ : ۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

۱ : ۵ : ۱ اللغۃ

۱ : ۵ : ۱ (۱) [اِهْدِ] کا مادہ "ھ د ی" اور وزن اصلی "اِفْعِلْ" ہے اور شکل اصلی "اِهْدِیْ" تھی۔

اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد ھدی ..... یھدی ھُدًی (دراصل ھَدَیَ یَهْدِیُ — باب ضرب سے) ہمیشہ متعدی اور بغیر صلہ کے آتا ہے اور اس کے معنی

© rasailojaraid.com

ہیں ؛ .....کو راستہ دکھانا، ......کو راہ بتلانا، .....کو راستے پر ڈالنا، .....کو رستے چلانا —— عموماً تو اس سے مراد " ازراہِ لطف و کرم سیدھا راستہ دکھانا " ہی ہوتا ہے۔ البتہ قرآن کریم میں ایک آدھ جگہ تہکماً اور طنزاً " دوزخ کا راستہ دکھانا " کے لئے آیا ہے۔

● اس فعل (ھدی یھدی) کے بعض دفعہ دو مفعول ہوتے ہیں۔ پہلا مفعول (جسے راستہ دکھایا گیا) تو ہمیشہ بغیر صلہ کے (مفعول بنفسہٖ) آتا ہے مگر دوسرا مفعول (یعنی جدھر یا جو راستہ دکھایا گیا) بغیر صلہ کے بھی اور کبھی لام (لِ) اور کبھی " اِلی " کے صلہ کے ساتھ بھی آتا ہے یعنی " اس نے اسے راستہ دکھایا " کا عربی یہ جملہ تین طرح ہوسکتا ہے (۱) ھداہ الصراطَ (۲) ھداہ لِلصراط اَو (۳) ھداہ الی الصراط۔ (صراط = راستہ) — قرآن کریم میں اس فعل کے استعمال کی یہ تینوں صورتیں آئی ہیں۔

بعض اہلِ لغت پہلی صورت (بغیر صلہ والی) کو لغتِ اہلِ حجاز کہتے ہیں اور دوسری دو (صلہ والی) کو حجاز سے باہر کی بولی سمجھتے ہیں — (حجاز یا الحجاز = عرب کا وہ مغربی جغرافیائی خطّہ جس میں مکّہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں)۔

● لفظ " اِھدِ " دراصل " اِھدِیْ " تھا یعنی فعل ثلاثی مجرد سے صیغہ امر واحد مخاطب مذکر۔ عرب لوگ کسی ناقص مادہ سے فعل ثلاثی مجرد مجزوم کے ضمہ (ـُ) پر ختم ہونے والے مضارع کے پانچ صیغوں میں آخر پر آنے والی " و " یا " ی " کو تلفظ سے ساقط کر دیتے ہیں۔ بلکہ اسے لکھتے بھی نہیں —— اسے ہی " صرفی تعلیل " کہتے ہیں۔ مثلاً اسی فعل سے فعل مضارع منفی بلَمْ " لَمْ یَھْدِ " رہ جائے گا اور فعل امر " اِھْدِ " رہ جاتا ہے جس کی گردان " اِھْدِ ، اِھْدِیَا ، اِھْدُوا ، اِھْدِیْ اِھْدِیَا اور اِھْدِیْنَ " ہوگی۔ ان تمام صیغوں کے شروع کا الف ھمزۃ الوصل ہے جو اس صیغہ کے اپنے سے ماقبل کسی کلمہ (اسم ، فعل یا حرف) کے ساتھ ملا کر پڑھنے کی صورت میں تلفظ سے گر جاتا ہے (اگرچہ

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

لکھا جاتا ہے)۔[۱] " ھـ د ی " قرآن کریم کا ایک کثیر الاستعمال مادہ ہے۔ اس سے اسماء و افعال کے تین سو سے زیادہ صیغے قرآن کریم میں وارد ہوئے ہیں۔

۱:۵:۱ (۲) [نَا] یہ جمع متکلّم (مذکّر و مؤنث ہر دو) کے لئے ضمیر منصوب اور مجرور (ہر دو) کی صورت ہے۔ بصورتِ منصوب ترجمہ "ہم کو" یا ہمیں (us) ہوگا اور مجرور ہو تو اس کا ترجمہ "ہمارا" (our) کیا جائے گا۔ اسی ضمیر کی مرفوع صورت " نَحْنُ " (بمعنی "ہم" یا we) استعمال ہوتی ہے۔

۱:۵:۱ (۳) [الصِّرَاطَ] اس لفظ کا مادہ " ص ر ط " اور وزن " فِعَالٌ " ہے اور یہ اس کی معرف باللام (منصوب) صورت ہے۔ اس مادہ (ص ر ط) سے کسی طرح کا کوئی فعل استعمال نہیں ہوتا۔ البتّہ مادہ " س ر ط " سے فعل ثلاثی مجرد سَرِطَ ...... یَسْرَطُ سَرْطانًا (باب نصر اور سمع سے) بمعنی: "...... کو نگل جانا" استعمال ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی لفظ " سِراط " (بمعنی راستہ) آتا ہے جو ہر لحاظ سے " صراط " کا ہم معنی ہے ـــ بلکہ ان ہی معنوں میں ایک تیسرا لفظ " زراط " بھی آتا ہے۔ تاہم اہلِ زبان " صراط " کو ہی بلحاظ استعمال زیادہ فصیح اور قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں۔ یہی قریش کی بولی تھی۔ اور قرآن کریم میں بھی یہی صورت استعمال ہوئی ہے[۲]۔ تاہم قراء حضرات کے ہاں ان تینوں الفاظ (صراط، سراط اور زراط) کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے۔ اگرچہ " رسمِ قرآن " فنِ قراءت کے ان احتمالات میں سے کسی کا متحمل نہیں ہو سکتا[۳]۔

---

[۱] ہدایت کے مختلف طریقے یا " اقسام ہدایت " نیز کسی خاص عبارت میں ہدایت کے مختلف معنی ہائے مراد (مثلاً صرف راہ دکھانا یا منزل پر پہنچا دینا وغیرہ) کی تفصیل کے لئے کسی اچھی تفسیر کی طرف رجوع کیا جائے یا مثلاً دیکھئے مفرداتِ راغب مادہ " ھـ د ی " یا قاموس قرآنی ج ۳ ص ۵۹۱۔

[۲] ترجیح صاد کے بیان کے لئے دیکھئے الکشاف (طبع البابی) ج ا ص ۶۳

[۳] جسے قراءت کی کسی کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اور دراصل تو یہ کسی ماہر قاری سے سننے کی چیز ہے۔

© rasailojaraid.c

● لفظ "صراط" کے معنی راستہ یا سڑک کے ہیں اور یہ زیادہ تر نمایاں اور معروف وممتاز راستے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اہلِ لغت صراط (جس کی اصل "سراط" ہے مگر "ط" کی مناسبت سے "س" کو "ص" پڑھا اور بولا جاتا ہے) کی وجہ تسمیہ "بھی یہی بیان کرتے ہیں کہ راستے میں مسافر اس طرح آگے چلا جاتا ہے جیسے نگلی ہوئی چیز پیٹ (اور انتڑیوں) میں گم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔ لفظ "صراط" قرآن کریم میں ــــ مفرد یا مرکّب (توصیفی یا اضافی) شکل میں ــــ پینتالیس (۴۵) دفعہ وارد ہوا ہے۔

۱:۵:۱ (۴) [الْمُسْتَقِيمَ] اس کا مادہ "ق و م" اور وزن اصلی "مُسْتَفْعِلٌ" ہے۔ اور شکل اصلی "مُسْتَقْوِمٌ" تھی۔

● اس مادہ (ق و م) سے فعل ثلاثی مجرد قَامَ يَقُوْمُ قِيَامًا (دراصل قَوَمَ يَقْوُمُ) باب نصر سے آتا ہے اور اس کے معنی "کھڑا ہونا"، "کھڑا رہنا" یا "کھڑا ہو جانا" ہوتے ہیں۔ یہ فعل بغیر صلہ کے تو ہمیشہ لازم ہوتا ہے مگر مختلف صلات (مثلاً "عَلٰى"، "لِ"، "بِ") کے ساتھ کبھی لازم کبھی متعدی (دونوں طرح) مستعمل ہے۔ اس مادہ سے مزید فیہ کے بھی متعدد ابواب مختلف معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم قرآن کریم میں یہ مادہ مزید فیہ کے صرف باب اِفعال اور بابِ استفعال سے استعمال ہوا ہے۔

● یہ لفظ (المستقیم) باب استفعال سے اسم الفاعل کا (معرف باللام) صیغہ ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے اس کی "شکل اصلی" مُسْتَقْوِمٌ تھی مگر اہلِ عرب کی زبان پر اس قسم کے الفاظ کی اصلی شکل کا تلفظ گراں گزرتا ہے وہ اسے بدل کر بولتے ہیں۔ مگر اس قسم کے بہت سے الفاظ کی تبدیلی کو سامنے رکھتے ہوئے علماء صَرف نے یہ قاعدہ مستنبط کیا کہ اس میں "واو" کی حرکت (ـِ) ماقبل ساکن (ق) کو دے کر خود "واو" کو اب اپنی ماقبل کی (نئی) حرکت (ـِ) کے موافق حرف "ی" میں بدل دیا جاتا ہے" ــــ اس طرح تعلیل کے بعد اس کی (استعمالی) شکل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.co

"مستقیم" اور وزن "مُسْتَفِیل" رہ گیا ہے۔ [ابھی پچھلی آیت میں آپ نے لفظ "نستعین" میں بھی اسی قسم کی صرفی تعلیل ملاحظہ کی ہے] اس مادہ سے باب استفعال کے فعل [اِستقام یستقیم استقامۃ] کے معنی ہیں: "درست ہونا"، "سیدھا ہونا"، "اعتدال پر ہونا"، "سیدھے ہی چلے جانا (کہیں مڑے بغیر)"۔ اس طرح مستقیم کے لفظی معنی "سیدھا رہنے والا"، "مڑے بغیر سیدھا ہی جانے والا" ہیں اور اسی لئے اکثر مترجمین حسبِ موقع اس کا ترجمہ "سیدھا یا سیدھی" ہی سے کرتے ہیں۔

● یہ مادہ (ق و م) ایک کثیر الاستعمال مادہ ہے۔ صرف قرآن کریم میں ہی اس مادہ سے مشتق اسماء و افعال کے ساڑھے چھ سو (۶۵۰) کے قریب صیغے وارد ہوئے ہیں۔ جس میں صرف فعل ثلاثی مجرد کے تیس سے زائد صیغے اور لفظ "مستقیم" سینتیس (۳۷) دفعہ آیا ہے۔

۱:۵:۲ الاعراب

[اِهْدِ] فعل امر معروف کا صیغہ واحد مخاطب مذکر (بمعنی دعا) ہے[1] جس میں ضمیر فاعل "اَنْتَ" مستتر ہے جس کا ترجمہ ہوگا تو چلا، دکھا، بتلا وغیرہ۔

[نا] ضمیر متصل منصوب ہے جو فعل "اِهْدِ" کا مفعول بہٖ (اوّل) ہے۔ یعنی "ہم کو یا ہمیں"۔ [الصراطَ] مفعول بہٖ ثانی ہے (یہاں یہ بغیر صلہ کے آیا ہے) اور اسی لئے منصوب ہے اور علامتِ نصب "ط" کی فتحہ (ـَـ) ہے[2]

---

[1] صیغۂ امر ہمیشہ صرف "حکم دینا" کے لئے نہیں آتا بلکہ متعدد معنوی اغراض (مثلاً حکم، اجازت، طلب، دعا، دھمکی وغیرہ) کے لئے آتا ہے جن کی تعداد اٹھارہ تک پہنچتی ہے۔ تفصیل اصولِ فقہ کی کسی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے مثلاً دوالیبی (المدخل، ص ۱۶۲)۔

[2] جب کوئی فعل صلہ کے بغیر بھی اور صلہ کے ساتھ بھی اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہو تو جب وہ بغیر صلہ کے آئے تو نحوی اس کے مفعول کو "منصوب بنزع الخافض" یعنی الخافض (= الجار) ہٹا کر منصوب کیا ہوا کہتے ہیں۔ مثلاً یہاں "الصراط" کو منصوب بنزع الخافض کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ فعل "ھ د ی" کا دوسرا مفعول "الی" یا (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid
© rasailojaraid

[المستقیم] لفظ "الصراط" کی صفت ہونے کے باعث منصوب ہے۔ اور علامتِ نصب "م" کی فتحہ (ـَـ) ہے۔ اس طرح پورے مرکبِ توصیفی کا اردو ترجمہ ہوگا "سیدھا راستہ یا سیدھی راہ"۔ یوں پوری آیت فعل مع فاعل اور مفعول مل کر پورا جملہ فعلیہ ہے۔

٣:٥:١ الرسم

[اھدنا] کا رسم املائی اور رسم قرآنی یکساں ہے۔ البتہ اس کے متعلق چند امور توجہ طلب ہیں جن کا تعلق دراصل قراءت سے ہے۔ مگر قراءت کا تعلق چونکہ "رسم" اور "ضبط" دونوں سے ہوتا ہے[1] اس لئے ان کو یہاں بیان کر دینا مناسب ہے:-

- "اِھدِنا" کے شروع کا "الف" ھمزۃ الوصل ہے[1] جو اپنے سے ماقبل کے ساتھ وصل کی صورت میں تلفّظ سے ساقط ہو جاتا ہے مثلاً سورۃ الفاتحہ میں اگر "نستعین" پر وقف نہ کیا جائے (جیسا کہ بعض دفعہ قاری حضرات نہیں کرتے) تو اس کے آخری "نُ" کو "اھدنا" کی "ھ" کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتے ہیں یعنی "نُہْ" کی طرح۔
- "نَا" کا آخری الف "اصل الف" ہے اسے ھمزہ نہیں کہیں گے۔ کیونکہ اس پر کوئی حرکت نہیں آتی اور یہ صرف اپنے مفتوح ماقبل (جو یہاں "نَ" ہے) کے

(تسلسل) "لِ" کے صلہ کے ساتھ بھی آسکتا ہے ــ اور اگر مفعول سے پہلے کوئی صلہ ہو جس سے مفعول (عملاً) مجرور ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے محلاً منصوب کہتے ہیں۔ مزید بحث کے لئے چاہیں تو دیکھئے اعراب القرآن للدرویش ج ۱ ص ۱۵ یا تجدید النحو ص ۱۶۸-۶۹۔

[1] دراصل ھمزہ (وصل کا ہو یا قطع کا) کو "الف" کہنا ہی درست نہیں ہے۔ تاہم اردو میں چونکہ "ا" کو الف ہی کہتے ہیں اس لئے آسانی اور عرف کے پیشِ نظر ہم نے بھی اسے الف کہہ دیا ہے اور آئندہ بھی ہم یہ "لائسنس" استعمال کر لیا کریں گے ورنہ "ا" دراصل تو "ھمزہ" کی کتابت کی کئی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے مابعد (ساکن) کے ساتھ وصل کی صورت میں تلفّظ سے ساقط ہو جاتا ہے جیسے یہاں " نَا " کے " نَ " کو آگے " الصّراط " کے " ص " کے ساتھ ملاتے وقت " نَصْ " پڑھتے ہیں۔

● لفظ " الصراط " کا ابتدائی " الف " بھی (لام تعریف کا) ھمزۃ الوصل ہے[1]۔ اور " ص " کے شمسی حرف ہونے کی بنا پر " لام " خاموش (SILENT) ہو جاتا ہے اور " نَا " کا " ن " صراط کے " ص " میں مدغم کر کے (ملا کر) پڑھا جاتا ہے جس سے تشدید پیدا ہوتی ہے (" نَصِّ ")۔

[**الصراط**] کے رسمِ قرآنی کے بارے میں حسب ذیل امور قابلِ توجّہ ہیں:-

● یہ لفظ (صراط) قرآن کریم میں جہاں اور جس طرح (معرفہ نکرہ و مفرد مرکّب وغیرہ) بھی آیا ہے اسے ہمیشہ " صرٰط " کے ساتھ لکھنا رسمِ عثمانی کا متفق علیہ مسئلہ ہے یعنی اسے اس کی (بلحاظ مادہ اصلی یا بلحاظ تلفّظ دوسری شکل مثلاً " سراط " یا " زراط " لکھنا ممنوع ہے۔ اگرچہ قراء حضرات کی فنّی بازیگری سے یہ بھی محفوظ نہیں رہا۔

● اس لفظ (الصراط) کا درمیانی الف تلفّظ میں تو یقیناً آتا ہے۔ یعنی اسے " رَا " ہی پڑھتے ہیں۔ مگر رسمِ عثمانی میں متعدّد کلمات کے اندر آنے والے الف کو کتابت میں حذف کر دیا جاتا ہے (جس کی دو مثالیں " الرحمٰن " اور " مٰلک " میں آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور قرآن مجید کے رسم میں اس کی بیسیوں مثالیں آگے آئیں گی)۔

● خیال رہے کہ کسی کلمہ کی ابتداء میں آنے والا " الف " دراصل ھمزہ ہی ہوتا ہے چاہے قطع کا ہو یا وصل کا۔ اور کسی کلمہ کے آخر پر آنے والا " الف " کتابت میں کبھی محذوف نہیں ہوتا۔ البتّہ کسی کلمہ کے درمیان واقع ہونے والے " الف " یا " الفات " کا کتابت میں حذف (نہ لکھنا) یا اثبات (لکھنا) علم الرسم کے اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے بلکہ عموماً کتبِ رسم کی ابتداء ہی " حذفِ الف " والے

---

[1] حاشیہ صفحہ گذشتہ دیکھئے۔

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

کلمات کے بیان سے ہوتی ہے۔ اس قسم کے کلمات میں سے ایک یہ "الصراط" بھی ہے۔

● تاہم اس لفظ (الصراط) کے اس درمیانی "الف" کے حذف یا اثبات میں اختلاف ہے۔ غالباً مصاحف عثمانیہ میں (جو علم الرسم کی اصل ہیں) سے بعض میں یہ باثبات الف مکتوب تھا اور بعض میں بحذفِ الف لکھا گیا تھا۔ [اگرچہ اس لفظ کے بارے میں عثمانی مصاحف میں اس اختلاف کی تصریح نہیں ملتی جیسا کہ بعض دوسرے کلمات کے بارے میں اس قسم کی صراحت ملتی ہے کہ "وہ" عراقی مصحف میں یوں اور شامی مصحف میں یوں لکھا گیا تھا]۔ بہر حال اس وقت (اور کئی صدیوں سے) تمام غیر عرب مشرقی ممالک (انڈیا، ایران، ترکی، چین وغیرہ) میں اسے باثبات الف ہی لکھا جاتا ہے۔ جب کہ بیشتر عرب ممالک (مثلاً مصر، شام، سعودیہ وغیرہ) اور ماسوائے لیبیا باقی تمام افریقی ملکوں (تونس، مراکش، غانا، نائیجیریا، سوڈان، وغیرہ) میں یہ بحذف الف لکھا جاتا ہے۔

● تاہم مشارقہ (اہلِ مشرق) اور مغاربہ (اہلِ مغرب[1]) کے تعامل میں اس فرق کی وجہ مختلف ہے۔ اہلِ مشرق نے تو غالباً از راہِ تساہل عام عربی املاء پر قیاس کرتے ہوئے اسے "صراط" (باثبات الف) لکھنا شروع کر دیا۔ بہر حال اہلِ مشرق کے اس تعامل (باثباتِ الف) کی کوئی صریح وجہ کہیں بیان نہیں ہوئی۔ مگر لیبیا والے جو اسے باثبات الف لکھتے ہیں تو ان کے پاس اس کی ایک معقول فنّی وجہ ہے۔ اور بحذف الف لکھنے والوں کے پاس بھی ایک دلیل موجود ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے:-

● علم الرسم کی دو بنیادی اور مستند کتابیں (حدیث میں بخاری اور مسلم کی طرح) ایسی ہیں جو اپنے سے پیشتر کی تمام کتابوں کی جامع اور اپنے بعد آنے والی تمام کتابوں کی بنیاد ہیں۔ اور یہ ہیں (۱) عثمان بن سعید الدانی الاندلسی (ت ۴۴۴ھ) کی "المقنع" اور (۲) اس کے

---

[1] خیال رہے کہ اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں مغرب سے مراد مصر سے مغرب کی طرف کے تمام افریقی ملک ہوتے ہیں جن میں تو مرحوم "اندلس" بھی شامل تھا ۔۔ یورپ اور امریکہ مراد نہیں ہوتے۔

© rasailojaraid.com

شاگرد ابوداؤد سلیمان بن نجاح الاندلسی (ت ۴۹۶ھ) کی " التنزیل فی ھجاء المصاحف " — علم الرسم پر بعد میں لکھی جانے والی کتابوں کی بنیاد یہی دو کتابیں ہیں اور بعد والے تمام مصنف ان دو کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ اب قصہ یوں ہے کہ المقنع للدانی میں — بلکہ علم الرسم پر ایک دوسری اہم کتاب " العقیلہ " میں (جسے الرائیۃ للشاطبی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک منظوم کتاب ہے اور رائیہ قصیدہ کی صورت میں ہے) ان دونوں کتابوں میں اس لفظ (صراط) کے حذف الف کی کہیں تصریح نہیں کی گئی — اور یہ اصول ہے کہ جب کسی جگہ حذف کی تصریح نہ ہو تو پھر اس لفظ کی کتابت میں عام عربی املاء (رسم معتاد) کو ہی اختیار کیا جائے گا۔ بلکہ الدانی نے ایک عام اصول یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کریم میں " فِعَال " اور " فَعَال " کے وزن پر آنے والے تمام کلمات باثبات الف لکھے جاتے ہیں اس میں یہ لفظ " صراط " خود بخود آجاتا ہے — اس کے برعکس ابوداؤد (سلیمان بن نجاح) نے اپنی کتاب میں لفظ " صراط " کے محذوف الالف ہونے کی صراحت کی ہے۔ گویا اس لفظ کے بارے میں " الدانی " اور " ابوداؤد " میں اختلاف ہے۔

● کسی کلمہ کے رسم کے بارے میں ان دونوں کے اختلاف کی صورت میں عرب اور عام افریقی ممالک میں ابوداؤد کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے[1] اس لئے ان ممالک میں لفظ " صراط " میں الف کا حذف ابوداؤد کی تصریح یا ترجیح کے ذکر کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے۔ یعنی اسے صرف " صرط " لکھا جاتا ہے پھر بذریعہ ضبط الف کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے مقابلے پر اہل لیبیا کے ہاں یہ اصول ہے کہ الدانی اور ابوداؤد میں اختلاف کی صورت میں شاگرد (ابوداؤد) کی بجائے استاد (الدانی) کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے " مصحف الجماھیریہ " میں اس لفظ کو " صراط " (باثبات الف) لکھا گیا ہے[2] بلحاظ رسم اس قسم کے مختلف فیہ مزید کلمات آگے چل

---

[1] دیکھئے مصری یا سعودی یا شامی مصحف کے آخر پر ضمیمہ " التعریف بھذا المصحف "

[2] دیکھئے " مصحف الجماھیریہ " کے آخر پر ضمیمۃ التعریف بالمصحف۔ نیز نثر المرجان ج ۱ ص ۹۷

© rasailojaraid.c

© rasailojaraid.c

کر سامنے آئیں گے۔[۱]

● اس اختلاف سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اس لفظ "صراط" کی کتابت میں "اثباتِ الف" کو حتمی طور پر رسم عثمانی کی خلاف ورزی قرار نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ عرب اور افریقی ممالک میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ مدینہ یونیورسٹی کے دو اساتذہ نے پاکستانی مصاحف کی اغلاط پر اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ بہر حال یہ لفظ "صراط" قرآن کریم میں جہاں جہاں بھی آیا ہے (اور ابھی بیان ہو چکا ہے کہ یہ لفظ قرآن کریم میں پینتالیس (۴۵) دفعہ آیا ہے)۔ سب جگہ یکساں طریقے پر لکھا جائے گا۔ یعنی یا تو سب جگہ بحذف الف یا ہر جگہ باثباتِ الف لکھا جائے گا ــــ کہیں بحذف اور کہیں باثبات لکھنا جائز نہیں ہے۔

● اہلِ مشرق اور اہلِ لیبیا اس لفظ (صراط) کی باثبات الف کتابت سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ انہیں مصری یا سعودی یا شامی مصاحف میں (اور ان کے تتبع میں لکھے گئے پاکستانی "تجویدی قرآن" میں) یہاں بحذف الف کتابت (صرط) عجیب

---

[۱] یہاں ایک دلچسپ اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ الدانی کی کتاب تو شائع ہو چکی ہے مگر ابو داؤد کی "التنزیل" ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئی اس کا ایک آدھ قلمی نسخہ کہیں کہیں موجود ہے۔ مصر والوں نے آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے جب "نسخۂ امیریہ" شائع کیا تو اس میں یہ کہا گیا تھا کہ مسائل رسم میں اختلاف کی صورت میں الدانی کی بجائے ابو داؤد کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ غالباً مصر میں تو اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہوگا۔ مگر سعودیہ والوں نے بھی اپنے مصحف کے آخر پر یہی بات (غالباً مصریوں کی نقل میں) لکھ دی۔ حالانکہ مدینہ یونیورسٹی میں کم از کم مارچ ۱۹۸۹ء کے آخر تک بھی ابو داؤد کی کتاب کی فوٹو سٹیٹ یا مائیکرو فلم تک نہیں تھی۔ اب وہ مکتبہ ظاہریہ دمشق سے منگوا رہے تھے ــــ دراصل ان کا ذریعہ معلومات مورد الظمآن وغیرہ بعد کی تصانیف ہیں جو ابو داؤد کا قول نقل کرتے ہیں۔ پھر اصل مصنف کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی جس کی کتاب کی شکل تک نہیں دیکھی۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

لگتی ہے۔ دوسری طرف چونکہ اس لفظ کی عام عربی املاء بھی باثبات الف ہے اس لئے عرب ممالک کے پڑھے لکھے لوگوں کو اس کا رسم عثمانی (بحذف الف) عجیب لگتا ہے۔ بہرحال اصل چیز متفق علیہ رسم عثمانی کی پابندی ہے چاہے وہ مانوس لگے یا اجنبی۔ کسی غلطی کی تکرار کی بنا پر اس سے مانوس ہو جانے کی وجہ سے اسے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۱:۵:۴ الضبط

اس آیت (اھدنا الصراط المستقیم) میں اختلافِ ضبط کی درج ذیل صورتیں موجود ہیں:۔

۱۔ ھمزۃ الوصل کی علامت ڈالنا یا نہ ڈالنا۔ پہلے (بسم اللہ کی بحث میں) بیان ہو چکا ہے کہ یہ علامت صرف عرب اور افریقی ممالک میں مختلف شکلوں (آ، اٗ، اٖ، اُ وغیرہ) میں لکھی جاتی ہے۔ افریقی ممالک میں ھمزۃ الوصل پر علامت الوصل کے علاوہ اس کے ماقبل کی حرکت کی علامت بھی ڈالتے ہیں۔ دیکھئے حکمتِ قرآن ماہ جون ۸۹ء صـ۵۶۔ آیت زیرِ مطالعہ کے تینوں کلمات کی ابتداء ھمزۃ الوصل سے ہوئی ہے۔

۲۔ حذف الف کی علامت کا اختلاف۔ عرب اور افریقی ملکوں میں اسے فتحہ مع الف صغیرہ (ـَا) سے اور باقی ملکوں میں صرف کھڑی زبر (ـٰ) سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس اختلاف کا اثر کلمہ "الصراط" کے ضبط میں ظاہر ہوگا (بحذف الف لکھنے کی صورت میں)

۳۔ یائے ساکنہ ماقبل مکسور پر علامت سکون اور ماقبل کی حرکت کے لئے علامت کا فرق۔ یہ علامتِ سکون صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے اور ماقبل کی حرکت ہر جگہ کسرہ (ـِ) ڈالی جاتی ہے مگر ایران اور ترکی میں اسے کھڑی زیر (ـٖ) کی شکل میں لکھتے ہیں یہ فرق "المستقیم" میں ظاہر ہوگا۔

۴۔ الف ماقبل مفتوح میں ماقبل پر ہر جگہ فتحہ (ـَ) ڈالتے ہیں مگر ایران میں یہ بھی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

کتب نحو میں پڑھ چکا ہوتا ہے۔ [بعض ڈکشنریوں مثلاً المنجد میں " الذی " اور اس کے ساتھی اسماء موصولہ کا ذکر " الذ " کی ترتیب میں کیا گیا ہے] اگرچہ ہم اس مفروضہ پر چل رہے ہیں کہ آپ اسماء موصولہ کے بارے میں پڑھ چکے ہیں۔ تاہم محض اعادہ اور یاد دہانی کے لئے یہاں ان کے بارے میں ذرا وضاحت کی جاتی ہے۔

● اسماءِ موصولہ کی کثیر الاستعمال شکلیں حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ واحد مذکر کے لئے " اَلَّذِیْ " جو مبنی ہے اور اس کے معنی حسب موقع "جو کہ" "جس نے کہ"، "جس کو کہ" اور "جس کا کہ" کر لئے جاتے ہیں۔

۲۔ تثنیہ مذکر کے لئے " اللّذانِ " جس کی نصبی اور جری صورت " اللَّذَیْنِ " ہوتی ہے اور معنی " وہ دو جو کہ، جن کو کہ یا جن کا کہ " ہوں گے۔

۳۔ جمع مذکر کے لئے " اَلَّذِیْنَ " جو مبنی ہے اور اس کے معنی بھی ۱ کی طرح بصیغہ جمع (وہ جنہوں نے، جن کو، جن کا) لئے جاتے ہیں۔

۴۔ واحد مؤنث کے لئے " اَلَّتِیْ " جو مبنی ہے اور اس کے معنی بھی ۱ کی طرح حسب موقع بصیغۂ واحد مؤنث لئے جاتے ہیں۔

۵۔ تثنیہ مؤنث کے لئے " اللَّتانِ " جس کی نصبی یا جری شکل " اللَّتَیْنِ " ہو گی اور معنی میں " وہ دو مؤنث جو کہ " کا مفہوم ہو گا۔

۶۔ جمع مؤنث کے لئے " اللاتی " یا " اللّائِیْ " (دو صورتیں) جو دونوں ہی مبنی ہیں اور اس کے معنی ۳ کی طرح بصیغہ مؤنث (مثلاً "وہ سب عورتیں جو کہ " کی طرح) ہوں گے۔ ایک نقشہ کی شکل میں ان سب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

		رفع	نصب	جر
مذکر	واحد	اَلَّذِی	الذی	الذی
	تثنیہ	اللَّذَانِ	اللَّذَیْنِ	اللَّذَیْنِ
	جمع	اَلَّذِین	اَلَّذِیْنَ	اَلَّذِیْنَ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مؤنث	واحد	الّتی	الّتی	الّتی
	تثنیہ	اللّتانِ	اللّتینِ	اللّتینِ
	جمع	اللاتی	اللاتی	اللاتی
		اللائی	اللائی	اللائی

● ان کے علاوہ اسم موصول کی تین اور صورتیں بھی کثیر الاستعمال ہیں۔ یعنی مَنْ (جو کہ، جس نے کہ، جس کو کہ، جس کا کہ) مَا (جو کچھ کہ وغیرہ) اور اَیٌّ (جونسا، کونسا وغیرہ)۔ ان تمام اسماء موصولہ کے قواعدِ استعمال کے اعادہ کے لئے کتبِ نحو کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔[1]

● اسماء موصولہ کی مذکورہ بالا (بصورت نقشہ) صورتوں میں سے صرف دو (اللتان یا اللتین) قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوئی باقی تمام صورتیں استعمال ہوئی ہیں۔ ان سب کا بیان اپنی اپنی جگہ ہوگا۔

© rasailojaraid.c

● اسماء موصولہ کی پہلی "چھ" شکلوں کی املاء کو غور سے دیکھئے۔ واحد مذکر، واحد مؤنث اور جمع مذکر میں "لام" (ل) ایک دفعہ لکھا جاتا ہے۔ (الذی، التی اور الذین)۔ مگر تثنیہ مذکر، تثنیہ مؤنث اور جمع مؤنث میں "لام" دو دفعہ لکھا جاتا ہے۔ (اللذان، اللتان، اللاتی وغیرہ)۔ تاہم خیال رہے کہ یہ عام عربی قیاسی املاء (رسم معتاد) ہے، قرآن کریم میں ان اسماء (موصولہ) کے لکھنے کے اپنے خاص طریقے ہیں جو اپنی اپنی جگہ "الرسم" کے عنوان کے تحت مذکور ہوں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

۱ : ۶ : ۱ (۲) [اَنْعَمْتَ] کا مادہ "ن ع م" اور وزن "اَفْعَلْتَ" ہے اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد نَعِمَ ینعَمُ نِعْمَۃً (باب نصر، سمع اور فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہوتے ہیں۔ "خوشحال ہونا"، "مالا مال ہونا" "تازہ اور سرسبز ہونا"۔ اور نَعُمَ یَنْعُمُ نُعُومَۃً (باب کرم سے) کے معنی "نرم و نازک ہونا" ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ فعل ہمیشہ لازم اور بغیر صلہ کے آتا ہے۔ قرآن کریم میں اس مادہ سے ثلاثی مجرد کوئی فعل نہیں آیا۔ البتہ ثلاثی مجرد کا مصدر "نِعمۃ" مزید فیہ کے دو ابواب (اِفعال اور تفعیل) سے افعال کے کچھ صیغے اور اس مادہ (نعم) سے مشتق اور ماخوذ متعدد

[1] مثلاً معجم النحو ص ۳۸۰ بعد یا تجدید النحو ص ۱۸-۱۱۷

© rasailojaraid.c

اسماء قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔

● لفظ " اَنْعَمْتَ " اس مادہ سے باب اِفعال کا فعل ماضی معروف کا صیغہ واحد مذکر مخاطب ہے۔ باب افعال کے اس فعل اَنْعَمَ ..... یُنْعِمُ اِنعاماً کے معنی ہیں "... کو نعمت دینا، ...... پر انعام کرنا"۔ یہ فعل ہمیشہ متعدی آتا ہے اور اس کے لئے عموماً دو مفعول درکار ہوتے ہیں (۱) جس کو انعام دیا جائے اور (۲) جو چیز انعام کے طور پر دی جائے۔ ان میں سے پہلے مفعول کے لئے یہ فعل ہمیشہ "علی" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے اور اس مفعول (اوّل) کو " مُنعَم علیہ " کہتے ہیں۔ دوسرا مفعول، اگر مذکور ہو تو یہ صلہ کے بغیر (مفعول بنفسہ ہو کر) بھی اور باء (بِ) کے ساتھ بھی آتا ہے۔ اور اس (چیز کو جو بطور انعام دی جائے) کو " مُنعَم بہ " کہیں گے مثلاً آپ عربی میں یوں کہیں گے: اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الشیئَ یا بِالشیئِ (اللہ نے اس کو (فلاں) چیز انعام دی) ــــ قرآن کریم میں اس (مفعول ثانی) کے ساتھ باء (بِ) کے صلہ کا استعمال تو کہیں نہیں ہوا۔ مفعول بنفسہ کی بھی مثال صرف ایک جگہ (الانفال: ۵۳) آئی ہے ــــ اس کا بیان اپنی جگہ آئے گا۔ ــــ البتہ "علی" کے صلہ کے ساتھ (صرف مفعول اوّل ـ منعم علیہ ـ کا ذکر کرتے ہوئے) اس فعل (اِنعام) سے سترہ مختلف صیغے قرآن کریم میں آئے ہیں ــــ

۱:۶:۱ (۳) [عَلَیْهِمْ] یہ دراصل "عَلٰی" (حرف الجر) اور " هُمْ " (ضمیر مجرور متصل) سے مرکّب ہے۔ " عَلٰی " جب کسی ضمیر سے پہلے آئے تو اُسے عموماً " عَلَیْ " پڑھا جاتا ہے اور ضمیر مجرور " هُمْ " سے پہلے اگر کوئی مکسور حرف یا ساکن یاء (یْ) آئے تو عموماً اسے " هِمْ " پڑھتے ہیں ــــ اور یہی قاعدہ " هُما " اور " هُنَّ " میں بھی جاری ہوتا ہے یعنی علیہِم، علیہِما، علیہِنَّ پڑھے جاتے ہیں۔ اس قاعدے کا تعلق صرف عربوں کے طریق تلفظ سے ہے اور اس کا عملاً اطلاق فن قراءۃ اور تجوید میں ہوتا ہے[1]۔ یہ کسی لغوی اشتقاق یا نحوی (اعراب وغیرہ کے)

---

[1] اور فن قرارت میں اس (علیہم) کے پڑھنے کے بعض دیگر طریقوں (قراءات) سے بھی بحث کی جاتی ہے۔ مثلاً " عَلَیْهُمْ " اور " عَلَیْهِمُوْ " وغیرہ۔ کیونکہ بعض عرب اس طرح بھی بولتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے چاہیں تو دیکھیے البیان (ابن الانباری) ج ۱ ص ۴۰ - ۳۹ یا قراءات کی کوئی کتاب۔

© rasailojaraid.com

قاعدے پر مبنی نہیں ہے۔

● اس حرف جار (علی) کے متعدد معنی اور استعمالات ہیں۔ ان میں سے زیادہ مستعمل صورتوں کا اردو ترجمہ حسب موقع "پر"، "کے اوپر"، "کے باوجود"، "کے موقع پر"، "کے خلاف" کے ساتھ کر لیا جاتا ہے۔ اس کی مختلف صورتیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔ مختلف افعال کے ساتھ یہ "علی" بطور صلہ استعمال ہو کر ان میں متعدد معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے یہاں (اس آیت میں) "علی"، فعل "انعمتَ" کے صلہ کے طور پر آیا ہے اور اس کا تعلق "مادہ" کے لغوی استعمال سے ہے جیسا کہ ابھی اوپر "انعمتَ" کے ضمن میں بیان ہوا ہے۔

۱:۶:۱ (۴) [غَيْرِ] غَيْرٌ کا مادہ "غ ی ر" اور وزن "فَعْلٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد غار یغیر غیرًا (باب ضرب سے) صلہ کے بغیر بھی اور مختلف صلات (مثلاً "لِ" اور "علی") کے ساتھ مختلف معنوں (مثلاً خوں بہا ادا کرنا، عطا کرنا وغیرہ) کے لئے آتا ہے — اور غار یغار غَيْرَةً (باب سمع سے) بمعنی "غیرت کرنا"، بھی آتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں اس مادہ سے ثلاثی مجرد کا کوئی فعل نہیں آیا۔ البتہ مزید فیہ کے بعض ابواب (افعال۔ تفعیل۔ اور تفعّل) سے بعض افعال اور مشتق اسماء کے کل سات صیغے آئے ہیں۔ ان کا بیان اپنی اپنی جگہ آئے گا۔

● لفظ "غَيْرٌ" کے اصل معنی تو "دوسرا" یا "کوئی اور" ہیں۔ اور ان معنوں میں ہی اس کی جمع "اغیار" آتی ہے۔ (قرآن کریم میں جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہوا)۔

یہ لفظ (غیر) متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

۱۔ زیادہ تر تو یہ "سِوَیٰ" یعنی "...... کے سوا" یا "سوائے ..... کے" کے لئے آتا ہے جیسے غیر اللہ (اللہ کے سوا)

۲۔ "......کی بجائے، کی جگہ" جیسے "ومن یبتغ غیر الاسلام دینا"

۳۔ "مگر ......" یعنی اِلَّا کے معنوں میں جیسے "مالبثوا غیر ساعۃ"

© rasailojaraid.com

۴۔ "نہ ...... ہوتے ہوئے" جیسے "غیرَ باغٍ ولا عادٍ" میں
۵۔ "جو ...... نہیں ہے" یعنی لَیْسَ کے معنوں میں جیسے "غیرُ مکذوب"
۶۔ کبھی خود اس کے شروع میں باء (بِ) آجاتی ہے۔ اس صورت میں اس کا اردو ترجمہ "...... کے بغیر" کیا جاتا ہے یعنی اس کی یہ شکل اردو میں مستعمل ہے جیسے "بغیر حساب"[1]
۷۔ اور کبھی یہ کسی صفت میں منفی معنی پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس وقت اس کا اردو ترجمہ "نا ...... " سے کیا جا سکتا ہے جیسے "غیر متشابہٍ" اور آیت زیر مطالعہ میں اس لفظ (غیر) کے معنی ع۵ یا ع۷ والے لئے جا سکتے ہیں۔

ان تمام معنوں کے لئے "غیر" ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ بغیر تنوین کے آتا ہے۔ [اوپر والی عبارتوں میں جہاں جہاں نقطوں والی خالی جگہ (......) چھوڑی گئی ہے وہ اس کے مضاف الیہ کے (ترجمہ کے) لئے ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر یہ لفظ کسی صفت کے طور پر بھی آتا ہے اور استثناء کے معنی پیدا کرنے کے لئے بھی۔ اور اس کے اپنے اعراب یعنی غیرُ، غیرَ یا غیرِ کے استعمال کے کچھ قواعد ہیں جو اگر مستحضر (یاد) نہ ہوں تو نحو کی کسی کتاب میں "استثناء" کی بحث پر نظر ڈال لیجئے خصوصاً "غیر" اور "سوی" کے استعمال پر۔

۱:۶:۱ (۵) [**الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ**]۔ اس میں لفظ "مَغْضُوبٌ" (جو یہاں معرف باللام اور مجرور "شکل" میں ہے) کا مادہ "غ ض ب" اور وزن "مَفْعُولٌ" ہے۔ یعنی یہ اسم المفعول کا صیغہ ہے ــــ اس مادہ سے فعل ثلاثی مجرد غَضِبَ یَغْضَبُ غَضَبًا (باب سمع سے) آتا ہے اور اس کے معنی ہیں "بہت خشمناک ہونا، سخت غصے

---

[1] قرآن کریم میں یہ "بغیر ...... " کی ترکیب قریباً چالیس دفعہ آئی ہے۔ ان تمام مقامات پر "بغیر" کا اردو ترجمہ "بغیر" ہی کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

میں آنا "۔ یعنی یہ ہمیشہ فعل لازم ہوتا ہے ـــــ اسے متعدی بنانے کے لئے اس کے ساتھ ہمیشہ "علی" کا صلہ استعمال ہوتا ہے مثلاً "غَضِبَ علیہ یا علی فلانٍ" (اس پر یا فلاں پر سخت ناراض ہوا)۔ [غَضِبَہٗ یا غَضِبَ فلانًا" کہنا بالکل غلط ہے]

● ثلاثی مجرد سے یہ فعل بعض دوسرے صلات ("لِ" "بِ" اور "فی") کے ساتھ بطور فعل لازم "....... کی خاطر ناراض ہونا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں ان معنی کے ساتھ یہ فعل کہیں استعمال نہیں ہوا۔ یہ فعل بغیر صلہ کے بطور لازم صرف ایک جگہ (الشوریٰ : ۳۷) اور "علی" کے صلہ کے ساتھ چھ سات جگہ آیا ہے۔

● اس طرح اس فعل سے مجہول بنانا ہو تو اسی صلہ (علی) کے ساتھ بنے گا۔ یعنی غَضِبَ علی فلانٍ" (اس نے فلاں پر غصّہ کیا) کا مجہول ہوگا "غُضِبَ علی فلانٍ (فلاں پر غضب/غصہ کیا گیا) غصّہ کرنے والے کو "غاضِبٌ" اور جس پر غصّہ کیا گیا اسے "مغضوب علیہ" کہتے ہیں۔ صرف "مغضوب" کہنا عربی میں درست نہیں ہے۔ اگرچہ اردو میں ہم اسے اس طرح (بغیر صلہ کے) استعمال کرتے ہیں۔

● اور یہ صلہ کے بعد مفعول کے مطابق ضمیر لوٹانے (یعنی لانے) والا قاعدہ ہر اس متعدی فعل کے اسم مفعول پر جاری ہوتا ہے جو کسی خاص صلہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہو۔ یا جسے کسی صلہ کے ذریعے متعدی بنایا جاتا ہو۔ مشارٌ الیہ، مضاف الیہ، مقسوم علیہ، منعم علیہ، مضروب فیہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں [انگریزی میں اس کی مثال APPLIED FOR یا REFERED TO کی قسم کے کلمات ہیں کہ ان میں فعل کی تیسری شکل (جو اسم مفعول کے لئے آتی ہے) کے ساتھ وہی صلہ (PREPOSITION) لگایا جاتا ہے جو فعل کے ساتھ لازماً آتا ہے]۔

● اس قسم کے مفعول میں تثنیہ یا جمع وغیرہ کی تبدیلی صلہ کے بعد والی ضمیر میں مطلوبہ تبدیلی کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے۔ یعنی مغضوب علیہ کا تثنیہ "مغضوب علیہما" اور اس کی جمع "مغضوب علیہم" ہوگی ـــ خیال رہے کہ "مغضوبان علیہما" یا "مغضوبین علیہم" نہیں کہیں گے ـــــ یہاں آیت زیر مطالعہ میں "المغضوب

© rasailojaraid.com

علیھم » آنے کی وجہ یہی قاعدہ ہے۔ اگر فعل " غَضِبَ " بغیر صلہ کے متعدی ہوتا تو یہاں " غیر المغضوبین " آتا۔ اس قاعدہ کو ذہن نشین کر لیجئے۔ آگے چل کر قرآن مجید میں اس کے استعمال کی بکثرت مثالیں سامنے آئیں گی۔

۱:۶:۱ (۶) [وَلَا الضَّآلِّيْنَ] اس میں " وَ " تو عاطفہ (بمعنی " اور ") ہے اور " لا " نفی کے لئے ہے (بمعنی " نہ ہی ")۔ ان حروف (وَ اور لا) کے استعمال پر ابھی آگے " الاعراب " کے تحت بات ہوگی۔ [الضَّآلِّيْنَ] (جو معرف باللام ہے) کا مادہ " ض ل ل " اور وزن (لام تعریف کے بغیر) " فاعِلِين " ہے جس کی شکل اصلی " ضالِلِین " تھی۔ یعنی یہ اسم الفاعل کی جمع مذکر سالم (کی نصبی اور جری صورت) ہے اور اس میں متحرک حرف (لام) آنے کی وجہ سے پہلے کو ساکن کرکے دوسرے میں مدغم کر دیا گیا ہے (فعل مضاعف کے قاعدے کے مطابق) — اور الف ماقبل مفتوح (اور اسی طرح واو ساکنہ ماقبل مضموم یا یائے ساکنہ ماقبل مکسور) کے بعد اگر " ء " یا کوئی حرف ساکن آجائے تو اس میں مدّ (آواز کو کھینچنا) پیدا ہوتی ہے۔ یہاں " ضآ " میں مدّ کی وجہ یہی قاعدہ ہے۔

● اس مادہ (ض ل ل) سے فعل ثلاثی مجرد ضَلَّ يَضِلُّ ضَلَالَةً وضَلَالًا (باب ضرب سے) آتا ہے اور اس کے بنیادی معنی ہیں: " مطلوب راستے سے دور ہونا " (عمداً ہو یا سہواً اور کم ہو یا زیادہ)۔ بنیادی طور پر یہ فعل لازم ہے مگر " جاءَ " اور " اَتیٰ " کی طرح یہ متعدی بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے ساتھ اس کا مفعول بہ بغیر صلہ کے (بنفسہٖ) بھی آتا ہے مثلاً " ضَلَّ الطریقَ " (وہ راستے سے بھٹک گیا)۔ اور کبھی اس کے ساتھ " عن " یا " فِی " کا صلہ بھی لگتا ہے۔ اس طرح یہ فعل (ثلاثی مجرد) بطور لازم اور متعدی (صلہ کے ساتھ اور اس کے بغیر بھی) متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) .....کو کھو بیٹھنا (۲) ..... سے بھٹک جانا (۳) گمراہ ہونا (۴) بہک جانا (۵) ..... سے بچھڑ جانا (۶) بے خبر ہونا (۷) بھول جانا (۸) سرگرداں ہونا (۹) ..... ہٹ جانا

© rasailojaraid.com

(۱۰) بیکار جانا (۱۱) ہلاک ہونا (۱۲) گم ہو جانا وغیرہ — یہ تمام استعمالات حسبِ موقع ہمارے سامنے آتے جائیں گے — قرآن کریم میں اس سے صرف فعل ثلاثی مجرد کے ساٹھ سے زائد صیغے آئے ہیں۔ اور دیگر (مزید فیہ) ابواب سے افعال اور مشتقات وغیرہ تو بہت زیادہ (۱۳۶ کے قریب) آئے ہیں۔

۲:۶ الاعراب

اس حصہ آیت کے اعراب سمجھنے کے لئے اس سے سابقہ آیت کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کیونکہ بعض اعراب اس (پہلی) آیت کے حوالے سے بیان ہوں گے یعنی " اھدِنا الصراطَ المستقیمَ ۔ صراطَ الذِینَ انعمتَ علیھم ۔ غیرِ المغضوبِ علیھم و لا الضآلّین" — پوری عبارت کو سامنے رکھیئے۔ اسی لئے اسے دوبارہ لکھ دیا گیا ہے۔

[صِراطَ] پہلے صراط (الصراط المستقیم والا) کا بدل ہے (جسے یہاں بدل الکل کہہ سکتے ہیں) یہ اسی وجہ سے (منصوب کا بدل ہونے کی بنا پر) ہی منصوب ہے اور اس میں علامتِ نصب " طَ " کی فتحہ (ــَـ) ہے — اور آگے مضاف ہونے کی وجہ سے اس کی تنوین ساقط ہو گئی ہے۔

[الـذین] اسم موصول ہے اور (صراط کا) مضاف الیہ ہو کر مجرور ہے تاہم مبنی ہونے کے باعث اس میں اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔

[انعمت] فعل ماضی صیغہ واحد مذکر مخاطب ہے جس میں ضمیر فاعل " أنتَ " متصل موجود ہے۔ [علیھم] جار (علی) اور مجرور (ھم) مل کر فعل " انعمت " سے متعلق ہے۔ ضمیر " ھم " یہاں دراصل تو مفعول بہ اور منصوب ہے مگر علی (صلہ) کے بعد آنے کی وجہ سے یہاں یہ ضمیر (ھم) متصل مجرور بالجر بھی ہے اس لئے فعل (انعمت) کے مفعول بہ ہونے کی بنا پر اس کو یہاں محلاً منصوب بھی کہہ سکتے ہیں — " انعمتَ علیھم " — " الذین " کا صلہ ہے اور صلہ موصول مل کر

© rasailojaraid.com

"صراط" کا مضاف الیہ ہے اور یہ سارا مرکب اضافی [صراط الذین انعمت علیھم یعنی [الذین انعمت علیھم (جن پر تو نے انعام کیا) کا صراط (راستہ)] "الصراط المستقیم" کا بدل الکل ہے۔ یعنی "الصراط المستقیم" (سیدھا راستہ، وہی (چیز) ہے جو "صراط الذین انعمت علیھم" (تیرے انعام یافتہ بندوں کا راستہ) ہے۔

[غیر] یہ الذین .... کی صفت یا اس کا بدل الکل ہو کر مجرور ہے۔ (علامت جر "ر" کی کسرہ (ـِ) ہے)۔ اور یہ آگے مضاف ہے [المغضوب] "غیر" کا مضاف الیہ ہو کر مجرور ہے۔ (علامت جر "ب" کی کسرہ (ـِ) ہے)۔ اور [علیھم] جار مجرور مل کر "مغضوب" سے متعلق ہے۔ نحو کی اصطلاحی زبان میں "علیھم" یہاں نائب فاعل ہو کر محلاً مرفوع ہے۔ کیونکہ "المغضوب علیھم" دراصل "الذین غُضِبَ علیھم" ہے۔ یعنی ضمیر "ھم" فعل مجہول کے نائب فاعل کا کام دے رہی ہے۔

[ولا الضالین] میں واو ("و") تو عاطفہ (بمعنی اور) ہے اور "لا" محض تاکید نفی کے لئے آیا ہے۔ یعنی "غیر" میں جو نفی ("نا") کے معنی ہیں محض اس کی تاکید مزید کے لئے ہے۔ جسے نحو کی زبان میں "زائدہ" کہتے ہیں[1] "الضالین" یہاں "المغضوب علیھم" پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور اس کی علامت جر "یاء" ہے یعنی "ـِیْنَ" والی "یاء" جو جمع مذکر سالم کی مجرور صورت ہے۔

● ہم نے ابھی لکھا ہے کہ "غیر" یہاں "الذین ...." کی صفت یا

---

[1] نحوی "زائد" کی اصطلاح ایسے حرف یا لفظ کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے ہونے یا نہ ہونے سے کسی اعرابی تبدیلی پر کچھ اثر نہ پڑتا ہو جیسے یہاں "الضالین" اس "لا" کے بغیر بھی مجرور ہوتا۔ "زائد" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے ہونے یا نہ ہونے سے معنوں میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ مثلاً یہاں "لا" سے مزید تاکید کے معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی "نہ ہی" ـــ مطلقاً نفی کے معنی تو "غیر" کی وجہ سے بھی پیدا ہو رہے تھے۔

© rasailojaraid.c

بدل (الکل) ہو سکتا ہے۔ اور یہ مضاف بھی ہے ـــــ اس کی وضاحت یہ ہے کہ "غیرِ" اپنے مضاف الیہ سمیت یعنی پوری عبارت "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" ـــــ اپنے سے پہلے والے صلہ موصول یعنی "الذین انعمت علیھم" ـــــ کی صفت یا نعت بھی بن سکتی ہے اور اس کا بدل بھی ہو سکتی ہے۔ اور بدل مانیں تو پھر بدل الکل ہی ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں (صفت یا نعت ہونے کی صورت میں) عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے "الذین انعمت علیھم" (تیرے انعام یافتہ بندے) جو "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" ہوں (یعنی نہ مغضوب ہوں نہ گمراہ ہوں) اور دوسری صورت یعنی بدل ماننے سے مطلب یہ ہوگا کہ "الذین انعمت علیھم" (تیرے صحیح انعام یافتہ بندے) وہی تو ہیں جو "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" (نہ مغضوب ہیں اور نہ ہی گمراہ ہیں)۔

● صفت والے معنی لینے سے یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ کیا کچھ لوگ بیک وقت "انعام یافتہ" (من وجہٍ) اور "مغضوب و گمراہ" ("من وجہٍ") بھی ہو سکتے ہیں یعنی جن میں منعم علیھم (انعام یافتہ) ہونا اور المغضوب علیھم والضالین (مغضوب اور گمراہ) ہونا دونوں صفات جمع ہوں۔ بدل والے معنی لئے جائیں تو یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے بدل مراد لینا زیادہ بہتر ہے[1]۔

● اس ضمن میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہمارے ہاں اکثر تراجم میں اس حصۂ آیت "غیر المغضوب علیھم ولا الضالین" کا ترجمہ "نہ مغضوب علیھم کا (راستہ) اور نہ گمراہوں کا (راستہ)"۔ یا اسی مفہوم کے لئے ملتے جلتے الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ جس میں اس عبارت کا تعلق لفظ "صراط" سے بنتا ہے۔ یہ ترجمہ صرف اس صورت میں درست قرار دیا جا سکتا ہے جب "غَیْرَ" (منصوب) پڑھا جائے۔ اس صورت میں تقدیر

---

[1] مزید بحث کے لئے چاہیں تو دیکھئے مثلاً روح المعانی ج ۱ ص ۹۵-۹۴، مجالسِ سبعہ ص ۱۳۸-۱۲۷ یا الکشاف ج ۱ ص ۶۹۔

© rasailojaraid.com

(خود بخود ذہن میں آنے والی عبارت) یوں ہوگی "غیرَ صراط المغضوب علیھم....
........" یعنی "غیرَ" لفظ "صراط" (جو خود بھی "اھدنا" کے مفعول بہٖ
"الصراط" کا بدل ہو کر منصوب ہے) کی صفت یا بدل سمجھا جائے گا۔ "الذین
......." کی نہیں[1]

- اردو تراجم میں سے صرف شاہ عبدالقادرؒ اور شیخ الہندؒ نے "غیر المغضوب
......." کو "الذین........." ہی کی صفت یا بدل سمجھ کر ترجمہ کیا ہے۔ انگریزی
تراجم میں سے صرف علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ اور نیچے
(فٹ نوٹ) میں "غیر" کے "صراط" کی بجائے "الذین......" سے
متعلق ہونے کی صراحت کی ہے۔ (انگریزی ہی تراجم میں سے) محمد اسد مشہور نومسلم
یورپی عالم نے صرف نیچے (فٹ نوٹ میں) اس ترجمہ کا بحوالہ زمخشری ذکر کیا ہے[2]
— فارسی تراجم میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "بجز" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے (راہ
کا ذکر کئے بغیر) — باقی اردو، فارسی اور انگریزی مترجمینِ قرآن نے اسے "صراط"
ہی سے متعلق کرتے ہوئے ترجمہ کر لیا ہے جسے "مفہومی" یا "تفسیری" ترجمہ
تو کہا جا سکتا ہے۔ مگر روایتِ حفص کی ترکیب نحوی اور لفظی ترجمہ سے قریب تر نہ ہونے
کے اعتبار سے درست نہیں ہے — اسی طرح جن مترجمین نے "غضب" کے
ساتھ "تیرا" یا "تو نے" کا اضافہ کیا ہے وہ بھی "انعمتَ" کی ضمیر فاعل کو
سامنے رکھتے ہوئے کیا ہے۔ کیوں کہ یہاں "غضب" سے مراد تو "اللہ کا غضب"
ہی ہے۔ تاہم یہ اضافہ بھی ترجمہ کو لفظی سے زیادہ "تفسیری" بناتا ہے۔

---

[1] دیکھئے "غیر" کی قراءت نصب پر بحث۔ روح المعانی ج ۱ ص ۹۵۔ خیال رہے ہم صرف
روایتِ حفص کے مطابق اعراب بیان کر رہے ہیں جو یہاں قراءت الجر (غیرِ) سے نصب
کی قراءت بھی ثابت ہے مگر وہ ہمارے دائرۂ عمل (SCOPE) سے خارج ہے دیکھئے مقدمہ

[2] دیکھئے الکشاف للزمخشری ج ۱ ص ۶۹۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

۱ : ۶ : ۳ الرسم :

[صراط (صرط) الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین]

لفظ [صراط] یا [صرط] پر ابھی پچھلی آیت میں بات ہو چکی ہے (۱ : ۵ : ۳)۔ [الذین] ہمزۂ وصل اور ایک "لام" (مشدّد) کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور "ذ" اور "ن" کے درمیان "ی" (بصورت نبرہ یعنی دندانہ) لکھی جاتی ہے۔ [انعمت] ہمزۂ قطع اور لمبی "ت" کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ [علیھم] میں "علی" کی "ی" کو "ھم" کی "ھ" کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے۔ [غیر المغضوب علیھم] میں "غیر" کے بعد "المغضوب" کا لامِ تعریف باثبات ہمزۃ الوصل لکھا جاتا ہے اور "علیھم" سابق کی طرح موصول (ملا کر) لکھا جاتا ہے۔ [ولا الضالین] میں "ولا" کے بعد "الضالین" ابتدائی ہمزۃ الوصل اور درمیانی الف (ضَ اور لَ کے درمیان) کے اثبات کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ صرف صاحب نثر المرجان (ج ۱ ص ۹۹) نے اس الف کے حذف کی طرف (بحوالہ مصحف الجزری) اشارہ کیا ہے (یعنی الضلین)۔ تاہم کتبِ رسم میں "ضالین" کے الف کے حذف کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اور لّ کی تشدید کی بناء پر ماقبل کی "مدّ" کے لئے بھی اس الف کا اثبات ضروری ہے۔

● ملاحظہ کیجیے کہ اس (زیرِ مطالعہ) آیت کے تمام کلمات کا رسم الخط عام املائی رسم کے مطابق ہی ہے۔ اوپر جو "قواعدِ املاء" بیان ہوئے ہیں وہ سب عام عربی املاء کے قواعد ہی ہیں۔ البتہ صرف کلمہ "صراط" کا رسم مختلف فیہ ہے۔ اس پر مفصّل بات سابقہ آیت کے "الصراط" میں آ چکی ہے۔ (۱ : ۵ : ۳)۔ اور "الضالین" کے الف کے حذف کا قول شاذ اور لہٰذا ناقابل قبول ہے۔ عام قواعدِ املاء کی تفصیل ہم نے اس لئے دی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن کا رسم الخط

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

بیشتر (اسّی فیصد سے بھی زیادہ) عام رسم معتاد کے مطابق ہی ہے صرف چند مخصوص کلمات میں اختلاف ہے۔ آئندہ ہم صرف ان قرآنی کلمات کے رسم کی نشاندہی کر دیا کریں گے جن کا رسم (عثمانی) عام املائی رسم سے مختلف ہوگا۔ ہر ایک کلمہ کی املاء بیان کرنا ضروری نہیں ہے کیوں کہ عنوان "الرسم" سے ہماری مراد دراصل تو "الرسم العثمانی" یا الرسم المصحفی "ہی ہے۔

۱:۶:۴ الضبط

(صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين)

اس آیت میں اختلاف ضبط کی حسب ذیل صورتیں موجود ہیں:۔

- همزة الوصل کی علامت (صلہ) ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل کا اختلاف ٓ ، ٱ یا ٲ یعنی سبز گول نقطہ۔ اس اختلاف کا اثر کلمات "الـذين" ، "المغضوب" اور "الضالـين" کے ضبط میں ظاہر ہوگا (یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ همزة الوصل کی یہ شناختی علامت صرف عرب اور افریقی ملکوں میں ڈالی جاتی ہے (دیکھئے بسم اللہ کی بحث)۔

- همزۂ قطع کی علامت قطع ڈالنا یا نہ ڈالنا اور ڈالنے کی صورت میں اس کی شکل کا اختلاف (ء ، ٤ ، د یا ٥ = زرد گول نقطہ) یہ علامت بھی صرف عرب اور افریقی ملکوں میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اختلاف کا اثر صرف کلمہ "انعمت" کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

- واو ماقبل مضموم پر علامتِ سکون ڈالنے یا نہ ڈالنے کا اختلاف یہ علامت صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اختلاف کا اثر کلمہ "المغضوب" کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

- یائے ماقبل مکسور پر علامتِ سکون ڈالنا یا نہ ڈالنا۔ یہ علامت بھی صرف برصغیر میں ڈالی جاتی ہے۔ اس اختلاف کا اثر دو کلمات "الـذين" اور "الضالـين" کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

© rasailojaraid.co

© rasailojaraid.co

- یاء کے ماقبل مکسور حرف کی حرکت (کسرہ) کی شکل کا اختلاف (ـِ ، ٖ) مؤخر الذکر شکل یعنی کھڑی زیر کی صورت میں لکھنے کا رواج صرف ترکی اور ایران کے مصاحف میں رہا ہے۔ اس اختلاف کا اثر بھی دو کلمات " الـذین " اور " الضالـین " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔
- الف (ساکنہ) کے ماقبل مفتوح کی حرکت (فتحہ) کی شکل کا اختلاف (ـَ ، ـٰ) صرف ایران میں اسے کھڑی زبر کی صورت میں لکھنے کا رواج ہے۔ اس اختلاف کا اثر کلمہ " لا " اور " صراط " (باثبات الف لکھنے کی صورت میں) کے ضبط میں ظاہر ہوگا
- محذوف الالف لفظ میں اس (محذوف) الف کے لئے علامت ضبط کا اختلاف (ٰ ، ـٰ) ۔ اس پر بات " بسم اللہ " کے ضمن میں " الرحمٰن " کے ضبط کے سلسلے میں ہو چکی ہے) فتحہ مع الف صغیرہ (کھڑی زبر) ڈالنے کا رواج صرف عرب اور افریقی ملکوں میں ہے۔ اس اختلاف کا اثر یہاں لفظ " صراط " بحذف الف (صرط) لکھنے والے ملکوں کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔
- کلمہ " لا " میں افریقی ملکوں میں پہلا سرا الف اور دوسرا سرا " لام " سمجھا جاتا ہے۔ مصر اور مشرقی ملکوں میں اس کے برعکس سمجھا جاتا ہے۔ اس اختلاف ضبط کا اثر کلمہ " ولا " کے ضبط میں ظاہر ہوگا۔

اس طرح اس آیت میں اختلاف ضبط کی مندرجہ ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں:

صِرَاط ، صِرٰاط ، صِرَٰط ، صِـرٰط

الَّذِیْنَ ، الَّذِینَ ، الَّـذِینَ ، اَلَّذِیْنَ

اَنْعَمْتَ ، اُنْعَمْتَ ، اَنْعَمْتَ ، (٥ = زرد گول نقطہ)

© rasailojaraid.c

عَلَيْهِمُ عَلَيْهِمْ
اور
غَيْرِ ، غَيْرِ

کا ضبط علامت سکون کے فرق کے سوا ہر جگہ ایک ہے۔

الْمَغْضُوْبِ ، الْمَغْضُوْبِ ، الْمَغْضُوْبِ ، الْمَغْضُوْبِ

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ، وَلَا الضَّآلِّيْنَ ، وَلَا الضَّآلِّيْنَ

وَلَا الضَّآلِّيْنَ

© rasailojaraid.co

نوٹ : ہمارے ہاں ۔ بلکہ تمام مشرقی ممالک میں آیات قرآنی کی کوئی گنتی رائج ہے۔ تاہم صرف برصغیر میں غیر کوفی آیت کے آخر پر "۵" کی علامت ڈالی جاتی ہے اور اس پر کوئی نمبر نہیں ڈالا جاتا۔ آیت زیر مطالعہ میں پہلے " علیھم " پر ایک غیر کوفی آیت ختم ہوتی ہے یعنی مدنی اوّل، مدنی آخر، بصری اور شامی طریق شمار کے مطابق یہاں آیت ختم ہوتی ہے۔ اس لیئے ہم نے بھی یہاں یہ نشان "۵" ڈالا ہے۔

● سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے آخر پر " آمین " کہنا سنّت سے ثابت ہے تاہم یہ لفظ قرآن کا حصّہ نہیں ہے۔ اس لیئے اسے لکھا نہیں جاتا۔ اور لکھنا درست بھی نہیں۔ اس لیئے کہ مصاحف عثمانیہ میں یہ نہیں لکھا گیا تھا۔ " آمین " کے معنی، اس کے تلفظ کی دوسری صورتوں اور اس کے متعلق فقہی احکام کے لیئے کسی مستند تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

© rasailojaraid.co

بقیہ: حرفِ اوّل

(۱) ایف اے اور بی اے کی نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا ایک معیّن نصاب بھی قرآن کالج کے نصاب میں شامل ہوگا۔ یہ معیّن نصاب عربی زبان کی پختہ بنیاد ڈال دینے پر، تدریس ترجمۂ قرآن، اصول حدیث، فقہ اور تجوید کی مبادیات ہی پر مشتمل نہیں ہوگا، قرآن حکیم کے ایک منتخب نصاب کی تشریح وتفسیر اور لیکچرز کے ذریعے دین کا ایک جامع اور حرکی تصور بھی موثر طور پر طلبہ کے سامنے لایا جائے گا جو طلبہ کی آئندہ عملی زندگی میں ان کے لیے ان شاء اللہ العزیز اہم سرمایہ ثابت ہوگا۔

(۲) قرآن کالج کی سابقہ تین سالہ تعلیمی اسکیم برائے بی اے کے مقابلے میں کہ جس میں دینی تعلیم کے لیے طلبہ کا ایک اضافی سال صرف ہوتا تھا، نئی اسکیم میں کوئی اضافی وقت خرچ نہیں ہوگا۔ میٹرک کے بعد چار سال کے عرصے میں گریجویشن کی تکمیل ہو جائے گی اور اسی دوران مذکورہ بالا دینی نصاب کی بھی تکمیل کرا دی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

(۳) دیگر کالجوں کے مقابلے میں کہ جہاں یونین ازم، طلبہ سیاست، ہڑتالوں، ہنگاموں اور بے حساب چھٹیوں کے سبب سبھی کچھ ہوتا ہے سوائے تعلیم کے، قرآن کالج میں پڑھائی کے لیے ماحول نہایت سازگار رہوگا۔ تعلیم و تدریس بھی باقاعدگی سے ہوگی اور ڈسپلن کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا اور یہی وہ دو چیزیں ہیں جن سے ہمارے تعلیمی ادارے مکمل طور پر تہی دست ہو چکے ہیں۔

(۴) اور آخری بات جو ہمارے نزدیک ”آخری مگر نہایت اہم“ کے درجے میں ہے کہ قرآن کالج کے طلبہ کے لیے دنیاوی کیریئرز کے راستے بھی مسدود نہیں ہوں گے۔ ایم اے / پی ایچ ڈی کرکے لیکچررشپ حاصل کرنا، سی ایس ایس کا امتحان پاس کرکے سول سروس میں آنا، ایل ایل بی کرکے وکالت کا پیشہ اختیار کرنا طلبہ کی صوابدید پر ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ قرآن کالج کے طلبہ دینی اور دنیاوی دونوں علوم کے اعتبار سے دیگر کالجوں کے طلبہ سے ممتاز ہوں گے اور دینی پس منظر رکھنے کے باعث مستقبل کی عملی زندگی میں دنیاوی مشاغل میں مصروف رہتے ہوئے بھی خدمتِ دین کے کاموں میں بھرپور حصہ ادا کرنے کی صلاحیت و استعداد سے آراستہ ہوں گے۔

تاہم ہمارے اعتبار سے قرآن کالج کا ’حاصل‘ وہ طلبہ ہوں گے جو تعلیم و تعلّم قرآن ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن حکیم کی ہدایت و رہنمائی کو وقت کی اعلیٰ علمی سطح پر پیش کر سکیں جو وقت کی اصل ضرورت ہے اور جس کے لیے درحقیقت قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کی بنیادیں اٹھائی گئی ہیں۔ ہم نے اس کام کیلئے اللہ کی نصرت و تائید سے ایک پلیٹ فارم فراہم کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اس کام کی اہمیت کو محسوس کرے اور اس اہم مشن کو آگے بڑھانے میں اپنا حصہ ادا کرنے میں کسی کوتاہی یا بخل کو راہ کی رکاوٹ نہ بننے دے۔ ★

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

مؤلف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین

مترجم: ڈاکٹر ابصار احمد

(۱۳)

منشورِ اسلام

مستقبل کی اسلامی ریاست امن پسند اور امن کا گہوارہ ہو گی

مستقبل میں قائم ہونے والی اسلامی ریاست اپنی ہم عصر ریاستوں سے نصب العین کے اختلاف کے باوجود انتہائی پُرامن اور خوشگوار تعلقات رکھے گی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک صاحبِ ایمان کے لیے صحیح نصب العین کی محبّت کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے معتقدین کے ساتھ نظریاتی اختلاف کے باوجود بے لوث اور پُرخلوص محبّت کے روابط رکھے۔ ان حقائق کا اسے پُورا شعور و ادراک ہوتا ہے کہ:

(۱) تمام انسان بنیادی طور پر اپنی فطرت کے اعتبار سے اچھے ہیں اور صحیح نصب العین ہی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اعتقاد اور عمل میں جو کجی آتی ہے وہ سماجی حالات اور غلط نظامِ تعلیم کا نتیجہ ہوتی ہے اور یہی چیز انہیں غیر معقول رویّے، ضد، ہٹ دھرمی اور ظلم و تعدّی پر ابھارتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ وہ کم فہمی اور حقائق سے بے خبری کی بنا پر کرتے ہیں۔

(۲) تمام انسان ایک خدا (وحدہٗ لاشریک لہٗ) کی مخلوق ہیں اور وہ ان سب کا ربّ ہے اور ان سے محبّت کرتا ہے۔ وہ ان سب کے بارے میں چاہتا ہے کہ وہ صراطِ مستقیم پر چل کر اس کے انعام کے مستحق بنیں۔ چنانچہ اس تعالیٰ نے تمام انسانوں کو زندگی بسر کرنے کے وسائل و اسباب اور صحیح نصب العین تک پہنچنے کے مواقع کم و بیش یکساں عطا کیے ہیں۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں اس تعالیٰ نے تمام اُمّتوں کو نبیوں کے ذریعے اپنے اوامر و نواہی سے باخبر کیا ہے۔

(۳) ایک مسلمان پر یہ فریضہ دینی طور پر عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی جملہ مخلوق سے

© rasailojaraid.c